© rasailojaraid.com

''موجِ کوثر'' اور قادیانیت نوازی

اعتبار ساجد

آج میں اپنے بک شیلف کا جائزہ لے رہا تھا تو پرانی کتابوں کی ورق گردانی کے دوران اندازہ ہوا کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں تحریک پاکستان کے فکری، مذہبی، سماجی اور قومی پس منظر کے حوالے سے ملک میں جن مصنفین کی کتب کو خاص پزیرائی حاصل ہوئی اُن میں شیخ محمد اکرام کی سلسلہ کوثر کے مستند متن ومواد والی کتب خاص طور پر نمایاں ہیں۔ اس ضمن میں تین کتب شائع ہوئیں جن میں ''موجِ کوثر'' تیسری اور آخری کتاب ہے۔ اس کتاب میں انیسویں صدی کے آغاز سے قیامِ پاکستان تک کی اہم مذہبی، فکری، سماجی، تعلیمی اور قدرے سیاسی تحریکوں کے ساتھ ساتھ بعض رہنماؤں کے قول وعمل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد (جسے انگریز ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ''غدر'' کہنے اور کہلوانے پر مُصر رہے) سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔ کیونکہ انگریزوں کا پہلا ہدف وہی تھے۔ ہندو اکثریت اپنی مکاری، چالبازی اور خوشامدانہ روش کی بناء پر انگریزوں کی وفادار رہی۔ وعدہ معاف گواہوں میں بھی ہندو اور سکھ کثرت سے شامل ہوئے، لیکن اس جنگِ آزادی میں بعض مسلمان والیانِ ریاست نے انگریز کے دبدبے سے خوف کھا کر اس کے دامنِ شاہی میں پناہ ڈھونڈ لی تھی۔ یہ جنگ صرف ۱۸۵۷ء کے چند ایام یا چند مہینوں تک محدود نہیں رہی بلکہ ۱۹۴۷ء تک اس کے خفتہ اور پوشیدہ شعلے بھڑ کتے رہے۔ اندر ہی اندر تغیر وتبدل کا عمل جاری رہا۔ مسلمانوں کی ابتری اور بدحالی کے ان ایام میں ایسے رخشندہ ستارے بھی افقِ امید پر طلوع ہوئے جن کی روشنی میں منزل کی شناخت آسان ہوئی۔ نہ صرف مختلف فکری، مذہبی، سیاسی اور ادبی تحریکیں شروع ہوئیں بلکہ اجتماعی سوچ میں بھی ایک انقلابی کیفیت پیدا ہوئی۔ مولانا سید احمد رائے بریلویؒ کی تحریکِ جہاد کا آغاز بھی اسی زمانے میں ہوا۔ مدرسہ دیوبند اور ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین بھی اسی زمانے میں قائم ہوئے۔ اردو اور مقامی زبانوں کے علاوہ مغربی زبانوں میں بھی اسلام کی بہترین ترجمانی کی گئی۔ بالخصوص مغربی دنیا میں اسلام کو جدید خطوط پر متعارف کرانے والوں میں سید امیر علی کا نام نمایاں ہے جبکہ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں خواجہ کمال الدین نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ ہر چند کہ شاہ ولی اللہ کے افکار وخیالات نے بھی مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا اور انھیں اجتماعی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا، لیکن اس تمام معاملے میں تائیدِ ایزدی کو اوّلیت حاصل رہی۔ اس دور میں جن زعماء نے اپنے افکار ونظریات کو فروغِ دین اور فلاحِ دین کے لیے وقف کیا، اُن میں خصوصیت سے مولانا شاہ اسماعیل شہید، مولانا محمد قاسم نانوتوی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا اشرف علی تھانوی، حسرت موہانی، سرسید احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد اور اکبر الٰہ آبادی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہ تحریک ۱۸۰۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کی مذہبی، قومی اور فکری تحریکوں اور ان کے قائدین کا احاطہ کرتی ہے۔ ۱۹۶۰ء کے اوائل میں اس کے ایڈیشن میں جواذ کار باقی رہ گئے تھے۔ انھیں بعد کے ایڈیشنوں میں نہ صرف شامل کیا گیا بلکہ مزید اضافے بھی کیے گئے۔ جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیو بند اور سرسید احمد خان بانی علی گڑھ اسلامی یونی ورسٹی کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کتاب کے ابواب اس طرح قائم کیے گئے ہیں:

(۱) حضرت سید احمد بریلویؒ اور اُن کے رفقائے کار (۲) ردّ عمل (۳) اقبالؒ (۴) مولانا عبیداللہ سندھی دیو بندی (۶) تذکرہ (۷) مغربی مادیت اور مشرقی روحانیت کا امتزاج...... اور آخر میں ضمیمۂ دیو بند و علی گڑھ۔

اس دور میں جبکہ قوم انتشار و افتراق کا شکار تھی۔ انگریزوں نے اپنے وسیع تر مفادات کے تحت مسلمانوں میں بد دلی پھیلانے اور آپس میں الجھائے رکھنے کے لیے ایسے افراد کی سرپرستی کی جو دین کے نام پر نت نئی اختراعات کے موجب ٹھہرے۔ ان میں بانی احمدی جماعت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے اپنا آغاز فریب نظری سے کیا یعنی مباہلہ و مناظرہ کے ذریعے عیسائی پادریوں کو ایک خاص منصوبے کے تحت اپنا ہدف بنایا تا کہ عام مسلمانوں بالخصوص دیہی علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کی توجہ اور ہمدردیاں حاصل کر سکیں۔ بعدازاں ان مباہلوں اور مناظروں کا رخ مسلمانوں کی طرف مڑ گیا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعویٔ نبوت کی بنیادیں پڑنی شروع ہوگئیں۔ یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا تھا جس میں ''ماسٹر مائنڈ'' انگریز تھا۔ کتاب میں مرزا غلام احمد اور قادیانی جماعت کے نام سے ایک تفصیلی باب ہے جس میں الگ سے احمدیہ جماعت لاہور کا بھی ذکر ہے اور لاہوری اور قادیانی جماعت کی علیحدگی کے اسباب بھی مرزا بشیر الدین محمود کی خلافت کے مسئلہ کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعد جماعت کی باگ ڈور اُن کے دست راست حکیم نورالدین نے سنبھالی اور ان کی وفات کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود کو ان کی جماعت نے ''خلیفۃ المسیح'' منتخب کر لیا۔ اس پر جماعت کے بہت سے ہم خیال اور ہم عقائد جن میں خواجہ کمال الدین بھی شامل تھے، قادیانی جماعت سے الگ ہوگئے اور انھوں نے لاہوری جماعت بنا ڈالی۔ بظاہر نظریاتی لیکن بباطن ذاتی اختلافات کی بنیاد پر الگ ہونے والوں کے بارے میں کتاب کے مصنف جناب شیخ محمد اکرام نے خدا معلوم کیوں بڑے سوئے ظن سے کام کیا ہے اور تبلیغ اسلام کی خدمت کے حوالے سے لاہوری جماعت کے بعض مبلغین بالخصوص مولوی محمد علی کے ترجمہ قرآن اور خواجہ کمال الدین کے ''تبلیغ دین اسلام'' کو کارنامے کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور ذہنی، فکری اور مذہبی طور پر عام مسلمانوں سے بہت قریب ہے جبکہ یہ صریحاً ایک خوش فہمی ہے۔ آئین پاکستان کی رُو سے قادیانی جماعت کے دونوں دھڑوں کو اقلیت قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج کیا جا چکا ہے اور بعد کی تحقیق نے یہ ثابت بھی کر دیا ہے کہ یہ جماعت یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا کوئی بھی دھڑا نہ اسلام سے مخلص تھا نہ فروغِ دین سے اس کا کوئی حقیقی تعلق تھا۔ یہ انگریزوں کا چھوڑا ہوا ایک شوشہ تھا جو ایک خبطی اور مخبوط الحواس شخص اور اس کے حاشیہ نشینوں کے ذریعے ہر طرف پھیلایا گیا۔

چونکہ ''موجِ کوثر'' کی تصنیف ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ہوئی اور اس کا پہلا ایڈیشن بھی اسی دہائی میں یا ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل میں شائع ہوا۔ اس لیے کسی نے اس بڑی غلطی کی نشاندہی نہیں کی۔ لیکن حیرت ہے کہ بعد کے ایڈیشنوں میں بھی جماعتِ احمدیہ قادیانی ولاہوری کے حوالے سے شامل کیے گئے مندرجات کی ''خوش عقیدہ اور خوش فہم سطور'' بھی حذف نہیں کی گئیں اور کسی ضمیمہ کے ذریعے اس پہلو کی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ کتاب اُس وقت لکھی اور چھاپی گئی جب آئینی اور قانونی طور پر اس جماعت کے دونوں دھڑوں سے تعلق رکھنے والوں کو اقلیت قرار دے کر مذہب اسلام کے دائرے سے خارج نہیں کیا گیا تھا اور قادیانی حضرات بھی عقیدۂ ختم نبوت سے بنیادی اختلاف کے مرتکب ہونے کے باوجود بھی خود کو مسلمان کہتے اور کہلاتے تھے۔

مقامِ حیرت ہے کہ ''موجِ کوثر'' جو تحریک پاکستان کے تناظر میں عام مسلمانوں بالخصوص نئی نسل کی آگہی اور رہنمائی کے لیے لکھی گئی اور چھاپی گئی اس میں موجودہ آئینی اور قانونی ترامیم کے باوجود اس اہم پہلو کو الگ ضمیمہ کی شکل میں اجاگر کرنے کی ضرورت کسی نے بھی محسوس نہیں کی اور خواجہ کمال الدین کی ''اسلامی خدمات'' کے والہانہ ذکر کے ساتھ ساتھ اُن کے اور دیگر احمدی حضرات کے نام کے ساتھ ''رحمتہ اللہ علیہ'' کا صیغہ جوں کا توں لکھا ہوا برقرار ہے جو عہدِ موجود میں اسلامی نظریات اور آئینی وقانونی فیصلے کی صریحاً نفی ہے۔

اس کتاب کا موجودہ ایڈیشن ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور جیسے مقتدر قومی ادارے نے شائع کیا ہے اور اس ادارے میں موجود کسی بھی محبِّ وطن دانشور نے فٹ نوٹ کے ذریعے اس کتاب کی اغلاط کی نشاندہی نہیں کی۔ اس کتاب کا یہ سولھواں ایڈیشن ہے جو ۱۹۹۴ء میں اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کے تعاون سے شائع ہوا ہے اور مطبع کی جگہ اظہار سنز لاہور کا نام درج ہے۔ اس کتاب کے ناشر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ہیں جو ۱۹۹۴ء میں ناظم ادارہ ثقافت اسلامیہ تھے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ انھوں نے ڈاکٹریٹ کس مضمون میں کی ہے لیکن جس بھی مضمون میں کی ہو بہر حال ان کی علمی حیثیت ڈگری کے لحاظ سے عام خواندہ مسلمان سے بہتر و برتر ہے۔ ناظم اشاعت کی حیثیت سے یہ اُن کا فرضِ منصبی تھا کہ وہ اس اہم کتاب کے مندرجات کا نئے حالات کے تناظر میں از سر نو جائزہ لیتے اور اس کتاب کے مرتبین سے جہاں ضرورت محسوس ہوتی فٹ نوٹس لکھواتے۔ ہم نے صرف ایک باب کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جب کہ اس کتاب میں متعدد مقامات پر ایسے پہلو موجود ہیں جن پر بحث کی گنجائش موجود ہے۔ ہم نے جو کچھ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے کارپردازان کی منصبی ذمہ داریوں کے حوالے سے اس کتاب کے ضمن میں عرض کیا ہے وہی معروضات اکادمی ادبیات پاکستان پر بھی منطبق ہوتی ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی یہ کتاب تحریک پاکستان کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔ [مطبوعہ: ہفت روزہ ''ندائے ملت'' لاہور، ۱۳ تا ۱۹ نومبر ۲۰۰۸ء]

© rasailojaraid.com